انعقادِ نکاح سے متعلق مسائل کی تفہیم میں اہل علم کی رائے: تطبیقی پہلو کا جائزہ

Opinions of scholars in the understanding of problems related to marital conduct: an evaluation of the applied aspect

Dr. Saeed Ur Rahman
Visiting Lecturer, Islamic studies
University of Engineering and Technology Peshawar
Email: msaeedkhalil@gmail.com
Dr. Muhammad Imran Malik
Visiting Faculty Member SZIC, Punjab University, Lahore
Email: imranmalik.ier@pu.edu.pk
Dr. Sajjad Ahmed
Assistant Professor Institute of Islamic Studies
Mirpur university of science and technology Mirpur AJK
Email: sajjad.iis@must.edu.pk

ABSTRACT

Marriage constitutes a significant cornerstone within the context of familial dynamics. During the Jahiliyyah period, the institution of marriage existed in various manifestations. However, it is essential to note that certain prevalent beliefs during this era harmed the sanctity of this sacred union. With the emergence of Islam, Prophet Muhammad (peace be upon him) undertook three significant actions. The user's query seeks an explanation or justification for a particular phenomenon or concept. The individual persisted in reviving the practices and traditions of Hazrat Ibrahim, a significant endeavor with beneficial implications for humanity. The individual in question unequivocally dismissed specific issues that lacked positive attributes. Additionally, due to ignorance, they proceeded to modify the customs, practices, and matters that had become intertwined with polytheism. Nikah, a marital approach, emerged as a custom influenced by the Sunnah of Ibrahim. However, it underwent modifications as time progressed. The Prophet Muhammad (peace be upon him) identified the problems from ignorance. Nevertheless, it is worth noting that a variant of the institution known as Nikah existed in Arab civilization.

The topic of marriage is being deliberated upon due to two primary factors. There are two primary reasons for the significance of observing fasting during Ramadan. Firstly, it is mandated as a religious obligation in the Qur'an. Secondly, it holds considerable importance in response to societal requirements. However, due to novel challenges and cultural practices, a significant concern pertains to the practical implementation of the commandments outlined in the Qur'an within societal contexts. Difficulty can also arise as a result of habituation. The subsequent discussion pertains to the identical subject matter.

Keywords: Marriage issues, Scholars, Implementation, Society

اسلام کے آنے سے حضرت محمد ﷺ نے تین کام کیے۔ حضرت ابراہیم کی ان سنت کو بحالہ جاری رکھا، جس میں انسانوں کے لیے خیر تھی۔ بعض ان امور کو یکسر مسترد کیا جس میں کوئی خیر کی پہلو نہیں تھی اور تیسرے نمبر پر ان رسوم ورواج اور امور میں تبدیلی کی جو جاہلیت کی وجہ سے اس میں شر کے کاموں کا ملا دیا گیا تھا۔ نکاح بھی ان میں سے ایک تھی، جو سنت ابراہیم سے جاری رہی لیکن وقت کے ساتھ اس میں تبدیلیاں کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان امور کی نشان دہی کی جو جاہلیت کی وجہ سے جڑ چکی تھی۔ بہر حال عرب معاشرہ میں نکاح کی کوئی نہ کوئی شکل موجود رہی۔

دور حاضر میں نکاح کو دو وجوہات سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔ ایک اس لیے کہ یہ قرآن کا حکم ہے اور دوسرا یہ کہ معاشرتی ضرورت کی وجہ سے اہم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مشکل یہ پیش آتی ہے کہ قرآن کا حکم معاشرے میں کس طرح تطبیق پائی گی۔ کیونکہ بعض نئے مسائل بھی موجود ہیں اور بعض رسم ورواج کی وجہ سے بھی مشکل پیش آتی ہے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے بات یہ ہے کہ معاہدہ ازدواج میں ایسی شرائط جو شرعی اصولوں کے خلاف نہ ہوں۔ نکاح کے اس پہلی شرط کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال پیش کی جارہی ہے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ سے پوچھا گیا کہ آیا ہر وہ شرط جو شرعی اور اخلاقی اصولوں کے خلاف نہ ہو، معاہدہ ازدواج میں درج ہو سکتی ہے؟ مولانا نے جواب دیا:

"ہاں ایسی شرائط جائز ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ازروئے قانون ایسی شرائط کو نکاح کا لازمی جز قرار دیا جائے۔ شریعت نے اس معاملے کو ہر انفرادی نکاح کے فریقین پر چھوڑا ہے۔ اور انھیں اختیار دیا ہے کہ جو مباح شرطیں بھی وہ چاہیں آپس میں طے کرلیں۔ اس حد سے تجاوز کر کے بعض شرطوں کو قانون یا رواج کی حیثیت دے دینا اصول کے بھی خلاف ہے اور عملاً بھی اس سے بہت سی خرابیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں تجربے سے ثابت ہے کہ عموماً کامیاب ازدواجی رشتے وہ ہوتے ہیں جن میں باہمی اعتماد پر معاملہ کیا ہو اور طرح طرح کی شرطوں سے ایک دوسرے کو باندھنے کی کوشش نہ کی ہو"(1)

علمائے کرام کی آراء

سعد بن عبد اللہ السیرؒ

مسئلہ مذکورہ میں سعد بن عبد اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسی شرائط جو عقد نکاح کے تقاضے کے خلاف نہ ہوں جائز ہیں، اور جو شرائط تقاضہ عقد نکاح کے متضاد ہوں ناجائز ہیں، لکھتے ہیں:

"أن الفقهاء اتفقوا على صحة الشروط التي تلائم مقتضى العقد، وعلى بطلان الشروط التي تنافي المقصود من الزواج أو تخالف أحكام الشريعة" (2)

نکاح میں ایسی شرائط جو عقد نکاح کے مقتضیٰ کے مطابق ہوں کی صحت پر، اور ایسی شرائط جو عقد نکاح کے منافی ہوں کے باطل ہونے پر متفق ہیں۔

ابحاث ھئیة کبار العلمائے کرامؒ

عرب علمائے کرام کی ایک جماعت نے بھی اس کا اظہار کیا کہ نکاح میں بعض شرائط جائز ہیں اور بعض ناجائز، یعنی جو عقد نکاح کے تقاضے کے خلاف ہوں وہ ناجائز جبکہ اس کے علاوہ جائز ہیں، کہتے ہیں:

"ويجوز في النكاح بعض الشروط دون بعض" (3)

نکاح میں بعض شرائط جائز ہیں جبکہ بعض جائز نہیں ہیں۔

اس طرح دوسری جگہ کہتے ہیں:

"فما دام الشرط لا ينافي مقتضى العقد فهو في الأصل صحيح ، سواء كان العقد يقتضيه أو لا يقتضيه..." (4)

جو شرط تقاضہ عقد کے منافی نہ ہو، وہ اصل میں صحیح ہے۔ خواہ عقد اس کا تقاضا کرتا ہو یا نہیں، برابر ہے کہ عقد نکاح کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

امام خطابیؒ

امام خطابیؒ بھی شرائط کی تقسیم کرتے ہیں کہ بعض شرائط ایسی بھی ہیں جن کو پوری کرنا واجب ہے، جبکہ بعض کو بالاتفاق علمائے کرام پوری نہیں کرنی چاہیے۔ کہتے ہیں:

"نکاح کی شرائط مختلف ہیں۔ جن کو پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو پورا کرنا واجب ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جنھیں بالاتفاق نہیں پوری کرنا چاہیے، جیسا کہ دوسری بیوی کی طلاق کی شرط لگانا" (5)

امام شوکانی

امام شوکانیؒ کی رائے یہ ہے، کہ جو شرطیں پوری کرنے کی زیادہ حقدار ہیں وہ شرائط نکاح ہیں، کیونکہ یہ بہت حساس معاملہ ہے، اس میں زیادہ احتیاط برتنا چاہیے، فرماتے ہیں:

"أَحَقُّ الشُّرُوطِ بِالْوَفَاءِ شُرُوطُ النِّكَاحِ لِأَنَّ أَمْرَهُ أَحْوَطُ وَبَابَهُ أَضْيَقُ " (6)

وہ شرائط جو نکاح سے متعلق ہیں، وہ پوری کرنے کی بہت زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ اس کا معاملہ بہت زیادہ محتاط ہے اور اس کا دروازہ بہت تنگ ہے۔

امام غرناطیؒ

امام غرناطیؒ القواعد الفقہیہ میں شرائط کو تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں:

"پہلی قسم، وہ شرائط جن کا عقد تقاضا کرتا ہو۔ مثلاً وطی، انفاق، تو ایسی شرائط کے ذکر سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دوسری قسم کی شرائط وہ ہیں جو عقد نکاح سے تناقض رکھتی ہوں، مثلاً یہ شرط کہ بیویوں کے درمیان تقسیم نہیں ہوگی، اور اس طرح کی دوسری شرائط۔ تو ایسی شرائط بنا سے پہلے نکاح کو فسخ کر دیتی ہیں، اور بعد البنا میں اختلاف ہے۔"

تیسری قسم وہ شرائط ہیں جن کا عقد کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ ہو، جیسا کہ اپنے شہر سے عدم اخراج کی شرط، تو ایسی شرائط مکروہ ہیں"۔[10]

خلاصہ بحث

نکاح میں وہ شرائط جن سے نکاح کی مضبوطی اور پائیداری میں کوئی مدد ملتی ہو وہی شرائط بہتر بھی ہیں اور ان کو پورا بھی کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ شرائط نہیں ہونی چاہیے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں یہ شرائط مفید ہوں وہاں اگر رکھی جائیں تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن جہاں ان سے آپس میں غلط فہمیاں اور عدم اعتماد کا اندیشہ ہو، تو وہاں شرائط رکھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ کیونکہ شرائط مطلوب و مقصود تو بالکل نہیں البتہ جہاں رکھی جاتی ہیں، تو نکاح میں پائیداری اور باہمی اعتماد پیدا کرنے کے لیے رکھی جاتی ہیں ، لھذا اگر ان مقاصد کو پورا کرنے کے بجائے الٹا نقصان ہو تو ایسی صورت میں شرائط سے احتراز کرنا بہتر ہے۔

شادی بیاہ میں کفو کا لحاظ

کفو کا معنی

ابن نجیمؒ فرماتے ہیں

"جَمْعُ كُفْءٍ بِمَعْنَى النَّظِيرِ لُغَةً"

کفائت جمع ہے "کفو" کی، جس کا لغوی معنی ہے "نظیر"

"وَالْمُرَادُ هُنَا الْمُمَاثَلَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي خُصُوصِ أُمُورٍ أَوْ كَوْنُ الْمَرْأَةِ أَدْنَى وَهِيَ مُعْتَبَرَةٌ فِي النِّكَاحِ"

کفو سے مراد زوجین کے درمیان کچھ خاص امور میں مماثلت و مشابہت، یا بیوی کا شوہر سے کمتر ہونا ہے۔ اور یہ نکاح میں معتبر ہے۔

اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لِأَنَّ الْمَصَالِحَ إِنَّمَا تَنْتَظِمُ بَيْنَ الْمُتَكَافِئِينَ عَادَةً، لِأَنَّ الشَّرِيفَةَ تَأْبَى أَنْ تَكُونَ مُسْتَفْرَشَةً لِلْخَسِيسِ بِخِلَافِ جَانِبِهَا[8]

مناسبت یا عورت کا شوہر سے کم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ امور کا انتظام تب ممکن ہوتا ہے جب جانبین یکساں اور برابر ہوں، کیونکہ شریف عورت حقیر مرد کے لیے فراش بننے سے انکاری ہوا کرتی ہے، البتہ اس کے برعکس ایسا نہیں ہے۔ یعنی خسیس عورت شریف آدمی کے لیے فراش بننا چاہتی ہے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے شادی بیاہ میں کفو کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں دلائل کے بعد رسائل و مسائل میں لکھا ہے:

"عقل عام یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی بھر کی شرکت و رفاقت کے لیے جن دو ہستیوں کا ایک دوسرے سے جوڑ ملایا جائے ان کے درمیان اخلاق، دین، خاندان، معاشرتی طور طریق، معاشرتی عزت و حیثیت، مالی حالات، ساری ہی چیزوں میں مماثلت دیکھی جانی چاہیے۔ ان امور میں اگر پوری یکسانیت نہ ہو تو کم از کم اتنا تفاوت بھی نہ ہو کہ زوجین اس کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رفاقت نہ کر سکیں"(9)

امام برھان الدین المرغینانی کفو کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" الكفاءة فی النكاح معتبرة وإذا زوجت المرأة نفسها من غير كف لأولياء أن يفرقوا بينهما ثم الكفاءة تعتبر فی النسب فقريش بعضهم أكفاء لبعض والعرب بعضهم أكفاء لبعض "(10)

نکاح میں کفائت کا لحاظ معتبر ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک عورت اپنے آپ کو غیر کفو میں نکاح پر دے تو اولیاء کو ان کے درمیان تفریق کا حق حاصل ہے۔

پھر آگے کہتے ہیں:

"کہ کفایت نسب میں معتبر ہے، پس قریش میں سے بعض دوسرے بعض کے لیے کفو ہیں۔ اسی طرح عرب بعض دوسرے بعض کے لیے کفو ہیں"

اگر یہ رشتہ غیر کفو میں ہو گیا تو اولیاء کو واپس کرنے کا اختیار ہے۔ اسی کی تشریح کرتے ہوئے امام مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"دفعا لضرر العار عن أنفسهم "(11)

لوگوں کی طرف سے عار دلانے کے ضرر سے بچنے کے لیے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کا نکاح حقیر مرد کے ساتھ ہو جائے اور عورت کا خاندان شریف ہو تو دوسرے لوگ ان کو عار دلائیں گے، جو کہ خاندان کے لیے اذیت اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اس ضرر اور اذیت کو دفع کرنے کے لیے خاندان یہ واپس کر سکتا ہے۔

کفو کے حوالے سے العنایہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، جو کہ البیہقی الکبریٰ میں ہے۔

"أَلَا لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ، وَلَا يُزَوَّجْنَ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ "(12)

کہ خبر دار! عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کرائیں، اور ان کا نکاح کفو یعنی ان کے نظیر میں کرائیں۔

اس کی تشریح میں پھر آگے لکھتے ہیں:

"وَلِأَنَّ انْتِظَامَ الْمَصَالِحِ بَيْنَ الْمُتَكَافِئَيْنِ عَادَةً وَالنِّكَاحُ شُرِعَ لِانْتِظَامِهَا وَلَا تَنْتَظِمُ بَيْنَ غَيْرِ الْمُتَكَافِئَيْنِ "(13)

کیونکہ عام طور پر امور کا انتظام تب ممکن ہے جب دونوں (میاں بیوی) مساوی ہوں۔ اور شریعت میں نکاح انتظام کے لیے جائز کیا گیا ہے اور میاں بیوی کے درمیان تفاوت کی صورت میں انتظام ممکن نہیں ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

" الْكَفَاءَةُ) عِنْدَنَا (تُعْتَبَرُ فِي) خَمْسَةِ أَشْيَاءَ (النَّسَبِ) وَالْحُرِّيَّةِ، وَالدِّينِ، وَالْمَالِ، وَالصَّنَائِعِ أَمَّا النَّسَبُ فَلِأَنَّهُ يَقَعُ بِهِ التَّفَاخُرُ "(14)

کفائت ہمارے نزدیک (یعنی احناف) پانچ چیزوں میں معتبر ہے۔ نسب، حریت (آزادی)، دین، مالصنعت حرفت (پیشہ)۔ نسب میں اس وجہ سے کہ اس کی وجہ درمیان میں تفاخر (ایک دوسرے پہ فخر جتلانا) واقع ہو جاتا ہے۔

ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ نسب کے حوالے سے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ کفو میں داخل ہے یا نہیں!

امام مالکؒ کی مشہور روایت یہ ہے "أَنَّهُ يَجُوزُ نِكَاحُ الْمَوَالِي مِنَ الْعَرَبِ"

موالی کا نکاح عرب کے ساتھ جائز ہے، اور ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ " آپ میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے، کہ کوئی عرب غیر عرب کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ہم مسلک کی رائے یہ ہے کہ قریشی عورت صرف قریشی مرد کے ساتھ شادی کرے گی، اور عربی عورت صرف عربی مرد کے ساتھ شادی کرے گی۔(15)

شوافع کی رائے یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کفو ضروری ہے، کیونکہ یہ زوجین کے ساتھ ساتھ دو خاندانوں کا جڑنا ہے، تاکہ کل ان دونوں کے درمیان نبھا ہو سکے۔

امام ماوردیؒ فرماتے ہیں

"الْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ فَمُعْتَبَرَةٌ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي لُحُوقِ الزَّوْجَةِ وَالْأَوْلِيَاءِ "(16)

زوجین کے درمیان کفائت معتبر ہے، زوجہ اور اولیاء کے لحوق میں۔

یعنی اس رشتے کے بعد زوجہ اور اس کے اولیاء ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں، تو پہلے سے یہ سوچنا

چاہیے کہ ان کے درمیان رشتہ نبھانا ممکن ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر رشتہ کفو میں نہیں تو یہ اولیاء اور بعد میں اولاد کے لیے عار کا سبب بن جاتا ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

وہ شرائط جو کفائت میں معتبر ہیں وہ سات ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے، نسب، حریت، کسب، مال، عیوب سے سلامتی، بشریت [17]

ابن قدامہ ؒ کہتے ہیں

"وَاخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ عَنْ أَحْمَدَ فِي شُرُوطِ الْكَفَاءَةِ. فَعَنْهُ هُمَا شَرْطَانِ؛ الدِّينُ، وَالْمَنْصِبُ. لَا غَيْرُ وَعَنْهُ أَنَّهَا خَمْسَةٌ؛ هَذَانِ، وَالْحُرِّيَّةُ، وَالصِّنَاعَةُ، وَالْيَسَارُ" [18]

امام احمد ؒ سے کفو کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کفائت کے لیے دو شرطیں ہیں، منصب اور دین، ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اور ان سے دوسری روایت ہے کہ پانچ شرطیں ہیں، دو یہی جو گزر گئیں اور اس کے ساتھ ساتھ حریت، کسب، مالداری۔

خلاصہ بحث

اس پوری تفصیل سے واضح ہو گیا کہ علمائے کرام ء کا نکاح میں کفو پر اتفاق ہے۔ یعنیز وجین کے درمیان موافقت ہونی چاہیے، کیونکہ زوجیت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ نے بیانفرمایا ہے:

"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً" [19]

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے لیے آپ کے جنس میں سے ازواج کو پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے کہ تسکین حاصل کریں اور آپ دونوں کے درمیان محبت اور رحمۃ پیدا فرمائی ہے۔

اسی طرح عورت کو شوہر کا لباس اور شوہر کو بیوی کا لباس قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب بھی ایک دوسرے کے قریب ہونا ہے۔ ابھی یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس جوڑے سے یہی مقصد زوجیت حاصل ہوتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو زوجیت مفید نہیں ہے۔ اسی لیے کفائت بین الزوجین کو شریعت نے لازم کیا ہے تاکہ دونوں کے درمیان محبت اور مودت کا رشتہ قائم ہو، نہ کہ دشمنی، بغض اور ایک دوسرے کو کمتر سمجھنا۔ کیونکہ اس سے معاشرے کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور آگے جاکر اس کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ لھٰذا کفائت کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ پھر علمائے کرام ء نے جو چیزیں مختلف بیان فرمائی ہیں، انھی کے ساتھ ساتھ ہر جگہ، مقام اور علاقے کی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسبت دیکھنی چاہیے جو کہ ہر ذی عقل فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون کون سی چیزوں میں مناسبت ہونی چاہیے۔

ٹیلی فون پر نکاح کی شرعی حیثیت

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے ٹیلی فون پر رسم نکاح کے بارے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے استفسارات میں لکھا:

"شریعت میں ایسے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں، کیونکہ نکاح شرعی میں ایجاب و قبول دو گواہوں کے سامنے لازمی ہے۔ اب بتائیں کہ یہ گواہی کیسے ہو گی؟"[20]

علمائے کرام کی آراء و فتاویٰ جات

عرب علمائے کرام کے فتاویٰ

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء میں ٹیلی فون پر نکاح کے بارے ایک سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے.

"رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد فی عقود النكاح فی الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية؛ تحقيقا"[21]

علمائے کرام ء کی اس مجلس کی رائے ہے کہ مناسب یہ ہے کہ عقود نکاح میں ایجاب و قبول اور توکیل کے معاملات میں ٹیلی فون پر اعتماد نہ کیا جائے۔

عرب علمائے کرام ء کے ایک دوسرے فتاویٰ میں فرمایا گیا ہے:

"عقد النكاح عبر الانترنت أو التليفون لا يصح. والله أعلم "[22]

کہ انٹرنیٹ یا ٹیلی فون کے ذریعے نکاح صحیح نہیں ہے۔

ٹیلی فون کے ذریعے شرائط پوری نہیں ہوتی

امام ابن نجیمؒ فرماتے ہیں

"وَرُكْنُهُ الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَاللَّفْظِ الْقَائِمِ مَقَامَهُمَا "[23]

کہ نکاح کا رکن ایجاب اور قبول ہے، خواہ حکماً ہو یا حقیقۃً ہو۔ یعنی کہ ایسے الفاظ جو اس کے قائم مقام ہوں۔

پھر آگے ایجاب و قبول کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فَمِنْهَا اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ إِذَا كَانَ الشَّخْصَانِ حَاضِرَيْنِ فَلَوْ اخْتَلَفَ الْمَجْلِسُ لَمْ يَنْعَقِدْ فَلَوْ أَوْجَبَ أَحَدُهُمَا فَقَامَ الْآخَرُ أَوْ اشْتَغَلَ بِعَمَلٍ آخَرَ بَطَلَ الْإِيجَابُ"

ایجاب وقبول کی شرائط میں سے ایک اتحاد المجلس ہے، جب دو اشخاص حاضر ہوں۔ اگر مجلس تبدیل ہوگئی تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اگر ایک نے ایجاب کیا اور دوسرا اٹھ گیا یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گیا تو ایجاب باطل ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایجاب وقبول کے لیے ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے۔

شہادت نکاح میں شرط ہے۔

جلال الدین الرومی العنایہ شرح الھدایۃ میں لکھتے ہیں:

"الشَّهَادَةَ شُرِطَتْ فِي النِّكَاحِ عَلَى اعْتِبَارِ إِثْبَاتِ الْمِلْكِ لِوُرُودِهِ عَلَى مَحَلٍّ ذِي خَطَرٍ " [25]

ایک حساس محل پر وارد ہونے کی وجہ سے نکاح میں ملک کے اثبات کے لیے شہادت مشروط کی گئی ہے۔

یعنی نکاح انتہائی حساس معاملہ ہے لھٰذا ایجاب وقبول دو گواہوں کے سامنے کرنا چاہیے۔

خلاصہ بحث

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ نکاح کے ارکان ایجاب اور قبول ہیں۔ ایجاب قول اول اور قبول قول ثانی کو کہا جاتا ہے۔ پھر ان ارکان کے لیے شہادت شرط کی گئی ہے، کیونکہ یہ ایک انتہائی حساس معاملہ ہے، اس لیے اس کو گواہوں کے سامنے کرنا چاہیے۔ اب یہ ایک حساس معاملہ فون پر اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ ایک تو اس میں اتحاد مجلس ضروری ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر ایجاب کے بعد قبول کرنے والا اٹھ گیا یا دوسرے کسی کام میں مشغول ہو گیا تو ایجاب باطل ہو گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فون پر اتحاد مجلس منعقد نہیں ہو پاتا، دوسری بات یہ ہے کہ شہادت شرط ہے، تو فون پر شہادت کیسے ہو گی کہ شاہد عقد کرنے والے کو دیکھ نہ پائے اور یا دیکھ پائے مگر اس کی پوری تفصیل معلوم نہ ہو تو شہادت جیسی اہم شرط اس میں غیر موثر رہے گی۔ لھٰذا اس حساس معاملہ کو فون یا دوسرے ذرائع سے منعقد کرنے سے احتیاط کرنی چاہیے۔

نکاح شغار

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نکاح شغار کے بارے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"عام طور پر ادلے بدلے کے نکاح کا جو طریقہ ہمارے ملک میں رائج ہے، وہ دراصلاسی شغار کی تعریف میں آتا ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ شغار کی تین صورتیں ہیں اور وہ سب ناجائز ہیں:

ایک یہ کہ آدمی دوسرے آدمی کو اس شرط پر اپنی لڑکی دے کہ وہ اس کو بدلے میں اپنی لڑکی دے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک لڑکی دوسری لڑکی کا مہر قرار پائے۔

دوسرے یہ کہ شرط تو وہی ادلے بدلے کی ہو مگر دونوں کے برابر برابر مہر (مثلاً 50،50 ہزار روپے) مقرر کیے جائیں اور محض فرضی طور پر فریقین میں ان مساوی رقموں کا تبادلہ کر لیا جائے۔ دونوں لڑکیوں کو عملاً ایک پیسہ بھی نہ ملے۔

تیسرے یہ کہ ادلے بدلے کا معاملہ فریقین میں صرف زبانی طور پر ہی طے نہ ہو بلکہ ایک لڑکی کے نکاح میں دوسری لڑکی کا نکاح شرط کے طور پر شامل ہو۔

ان تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے گی ،شریعت کے خلاف ہو گی ۔پہلی صورت کے ناجائز ہونے پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ باقی دو صورتوں کے معاملے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ لیکن مجھے دلائل شرعیہ کی بنا پر یہ اطمینان حاصل ہے کہ یہ تینوں صورتیں شغار ممنوع کی تعریف میں آتی ہیں اور تینوں صورتوں میں اس معاشرتی فساد کے اسباب یکساں طور پر موجود ہیں جن کی وجہ سے شغار کو منع کیا گیا ہے "[26]

احنافؒ کی رائے

احناف کے نزدیک نکاح شغار منعقد ہو سکتا ہے، البتہ ان دونوں طرف خواتین کے لیے مہر مثل ہو گا،

امام سرخسیؒ نکاح شغار کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"والشغار أن يقول الرجل للرجل أزوجك أختي على أن تزوجني أختك على أن يكون مهر كل واحدة منهما نكاح الأخرى أو قالا ذلك في ابنتيهما أو أمتيهما ثم النكاح بهذه الصفة يجوز عندنا ولكل واحدة منهما مهر مثلها "[27]

شغار یہ ہے کہ آدمی دوسرے آدمی کو کہے کہ تجھے اپنی بہن نکاح پر دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اپنی بہن مجھے نکاح پر دے گا، اور اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک دوسری کی مہر ہو گی۔ اسی طرح اگر دو مرد اپنی بیٹیوں اور باندیوں کے بارے میں کریں تو یہ نکاح ہمارے (احناف) کے نزدیک جائز ہے، اور پھر ان دونوں کے لیے مہر مثل ہے۔

مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی دوسری بہنوں یا قریبی رشتہ دار عورتوں کا جو مہر ہو اس کی طرح ان کا مہر ہو گا۔

مالکیہؒ کے نزدیک

تین قسم کے نکاح امام مالکؒ کے نزدیک نکاح شغار ہیں ناجائز ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلی قسم: ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ مجھے اپنی آزاد کردہ باندی نکاح پر دے دو، اور میں اپنی باندی تجھے دوں گا ،اور ان دونوں کے درمیان کوئی مہر نہیں ہو گا" امام مالک ؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ نکاح شغار ہے۔

دوسری قسم: ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ مجھے اپنی بیٹی سو دینار کے عوض دو، اور میں تجھے اپنی بیٹی سو دینار کے عوض دوں گا" امام مالکؒ کے نزدیک یہ بھی نکاح شغار ہے۔ اور یہ برا سمجھتے تھے۔

تیسری قسم: ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ مجھے اپنی باندی بغیر نکاح دے دو، اور میں تجھے اپنی باندی بلا مہر دوں گا" تو امام مالکؒ نے کہا کہ غلاموں کے درمیان شغار بھی آزاد لوگوں کے درمیان شغار کی طرح ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں" وأرى أن يفسخ وإن دخل بها" میری رائے یہ ہے کہ اس نکاح کو فسخ کیا جائے اگرچہ دخول ہوا بھی ہو۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا: کہ فسخ کیا جائے گا اگرچہ دخول ہوا بھی ہو اور اولاد بھی پیدا ہو گئی ہو۔[28]

امام شافعیؒ

امام شافعیؒ سے کتاب الام میں نقل ہے کہ شغار ہمارے نزدیک یہ ہے:

"أن يزوج الرجل ابنته الرجل على أن يزوجه ابنته صداق كل واحدة منهما بضع الاخرى"

کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنی بیٹی دے اس شرط پر کہ وہ اپنی بیٹی اس کو دے دے گا، اور ان دونوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے کی مہر ہوں گی۔

پھر آگے کہتے ہیں:

"فإذا وقع النكاح على هذا فهو مفسوخ فإن دخل بها فلها المهر بالوطئ ويفرق بينهما"[29]

جب ایسا نکاح واقع ہو جائے تو وہ فسخ شدہ ہے، اگر دخول ہوا ہو تو وطی کا مہر دے گا، اور دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ

ابن قدامہ حنبلیؒ کہتے ہیں:

"وإذا زوجه وليته على أن يزوجه الآخر وليته فلا نكاح بينهما وإن سموا مع ذلك صداقا أيضا هذا النكاح يسمى الشغار"

جب کسی نے ایک مرد کو اپنی باندی اس شرط پہ نکاح پر دی، کہ وہ اپنی باندی اس کو دے گا تو ان کے درمیان نکاح نہیں ہوا، اگرچہ اس میں مہر کا ذکر بھی کریں۔ اس نکاح کو شغار کہتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

"ولا تختلف الرواية عن أحمد في أن نكاح الشغار فاسد رواه عنه جماعة قال أحمد وروى عن عمر وزيد ابن ثابت أنهما فرقا فيه"[30]

امام احمدؒ سے نکاح شغار کو فاسد قرار دینے میں روایات مختلف نہیں ہیں۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ البتہ ایک صورت میں جب ان دونوں کے مہر کا الگ الگ ذکر کیا جائے تو یہ امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں:

"فأما إن سموا مع ذلك صداقا فقال زوجتك ابنتي على أن تزوجني ابنتك ومهر كل واحدة منهما مائة أو مهر ابنتي مائة ومهر ابنتك خمسون أو أقل أو صداقا فالمنصوص عن أحمد فيما وقفنا عليه صحته"[31]

وہ صورت جس میں مہر کا ذکر کیا جائے اور کہے کہ میں تجھے اپنی بیٹی اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو مجھے اپنی بیٹی دے گا، اور ان میں سے ہر ایک کا مہر سو ہو گا، یا یہ کہ میری بیٹی کا مہر سو ہو گا، اور تیری بیٹی کا مہر پچاس ہو گا یا اس سے کم، تو اس حوالے سے امام احمدؒ سے اس کی صحت منقول ہے۔

خلاصہ بحث

وہ نکاح جس میں ایک لڑکی دوسری کا مہر ہو تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، جیسا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کہا ہے، دوسری صورتوں میں چونکہ اختلاف ہے، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک ساری صورتیں حرام اور ناجائز ہیں، حتی کہ خلوت یا وطی بھی ہو گئی ہو، تو اس کا مہر لیا جائے گا اور ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ اور یہی رائے سید مودودیؒ کی بھی ہے کہ یہ تمام صورتیں نکاح شغار ہے اور ان میں سے کوئی بھی جائز نہیں ہے۔

آج کل کے معاشرے کو دیکھا جائے تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں خواتین کے حقوق کا پورا پورا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ ادلہ بدلہ ہو جائے اور پھر ایک عورت کے ساتھ اس کے سسرال یا شوہر کا رویہ ٹھیک نہ ہو تو دوسری جانب کے لوگ جان بوجھ کر اس کے بدلے اپنی بہو کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے ہیں، اگرچہ وہ کتنی خوش اخلاق کیوں نہ ہو، جو کہ تجربے سے ثابت ہے۔ لہٰذا ایسے نکاحوں سے پرہیز کرنا چاہیے، جس سے ازدواج کے مقاصد پورے ہونے کے بجائے مزید بگاڑ پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ البتہ جہاں ایسے کسی خطرے کا خوف نہ ہو تو وہ صورت جس میں مہر کا ذکر کیا جائے تو اس میں کوئی خاص حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مہر کی ادائیگی، مؤجل یا معجل

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے کسی نے پوچھا:

"اگر بوقت نکاح زر مہر کی صرف تعداد مقرر کر دی گئی ہو اور اس امر کی تصریح نہ کی گئی ہو کہ یہ مہر معجل ہے یا مؤجل، تو آیا اس کو معجل قرار دیا جائے گا یا مؤجل؟

مولانا نے بڑی تفصیل کے ساتھ دلائل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"زر مہر کی ادائیگی کے معاملے میں اصل تعجیل ہے نہ کہ تاجیل۔ مہر کا حق یہ ہے کہ وہ استحلال فرج کے ساتھ بروقت ادا ہو۔ اور یہ محض ایک رعایت ہے کہ اس کو ادا کرنے میں مہلت دی جائے۔ اگر مہلت کے بارے میں زوجین کے درمیان کوئی قرار داد نہ ہوئی ہو تو اعتبار اصل (تعجیل) کا کیا جائے گا نہ کہ رعایت (تاجیل یعنی مہلت)[32]

ابن قدامہؒ

ابن قدامہ حنبلیؒ کی رائے یہ ہے کہ مہر موجل اور معجل دونوں جائز ہیں، المغنی میں لکھتے ہیں:

"کہ مہر معجل اور مؤجل دونوں جائز ہیں، اسی طرح بعض معجل اور بعض مؤجل بھی جائز ہے، کیونکہ یہ ایک عوض ہے اور معاوضہ کے عوض میں ایسا جائز ہے جیسا کہ قیمت میں جائز ہے، اور اگر مطلق ذکر کیا (بغیر مؤجل یا معجل) تو یہ پھر حال کا تقاضا کرتا ہے یعنی معجل"

امام وھبۃ الزھیلیؒ

امام وھبۃ الزہیلیؒ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

فقہاء نے مہر مؤجل اور معجل دونوں جائز قرار دیے ہیں۔

احنافؒ

پورا مہر، مؤجل اور معجل، اور اسی طرح بعض مؤجل اور بعض معجل، قریبیا بعید مدت تک صحیح ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ مؤجل میں تاجیل جہالت فاحشہ پر مبنی نہ ہو، مثلاً یہ کہا جائے کہ تجھے ہزار کے عوض نکاح پر دی ہے، بارش ہونے تک۔ اگر یہ دونوں مہر مؤجل یا معجل پر متفق نہ ہوئے تو مہر شہر کے عرف کے مطابق ہو گا، اور اگر وہاں تاجیل یا تعجیل کا عرف نہ ہو تو مہر معجل ہو گا کیونکہ مسکوت کا حکم معجل کا ہے۔ کیونکہ مہر عقد کے تمام ہونے پر واجب ہو جاتا ہے، تو جب تاجیل نہ صریح ہو نہ عرف میں ہو تو اصل پر عمل کیا جائے گا۔

اور اصل تعجیلاور حال ہے کہ فوراً ادا کیا جائے۔

شوافع ور حنابلہؒ

شوافع اور حنابلہ نے پورا مہر اور اسی طرح بعض معجل اور مؤجل دونوں جائز قرار دیے ہیں، البتہ ایک مدت معین تک۔ اور اگر مطلق چھوڑ دیا تو معجل ہو گا۔

مالکیہؒ

مالکیہ نے تاجیل کے حکم میں بالکل الگ مسلک اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں "اگر مہر معین بھی ہو اور شہر میں موجود بھی

ہو، جیسا کہ گھر، کپڑا یا حیوان، تو عقد ہی کے دن عورت یا اس کے ولی کو حوالہ کرنا واجب ہے، اور اس میں تاخیر جائز نہیں ہے، اگرچہ تاخیر پر راضی کیوں نہ ہوں۔ اور اگر عقد میں تاجیل کی شرط لگائی تو عقد فاسد ہوا۔ البتہ اگر مدت قریب ہو جیسا کہ دو یا پانچ دن تک ہو، تو پھر جائز ہے۔ اور اگر مہر شہر میں موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر قریب مدت مقرر کی جائے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے تو جائز ہے، اور اگر تبدیلی کی تو نکاح فاسد ہو گیا" [illegible]

خلاصہ بحث

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اس مسئلہ میں جمہور کی رائے اختیار کی ہے، کہ اگر مہر مقرر ہو اگر معجل یا مؤجل کا ذکر نہیں ہوا تو اس کا رجع اصل کی طرف کیا جائے گا اور اصل مہر میں تعجیل ہے نہ کہ تاجیل۔ اور یہی احناف، شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے، البتہ امام مالکؒ زیادہ تاخیر کے قائل نہیں ہیں، بلکہ تاجیل اگر زیادہ ہو جائے تو نکاح فاسد ہونے کا فرمایا ہے۔

صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تاجیل جائز ہے، اگر اس پر زوجین راضی ہو جائے، اور تاجیل میں جہالت فاحشہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ بارش ہونے تک موخر کیا جائے، تو بارش کا تو کوئی علم کسی کے پاس نہیں ہے کہ کب ہو گی، یا ہو گی یا نہیں ہو گی، لھٰذا ایسی صورت میں یہ مفضی الی النزاع ہے یعنی زوجین کے مابین اختلاف کا موجب ہے، تو مہر عجلت کے ساتھ دینا چاہیے۔

نکاح بلا مہر جائز ہے؟

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی رائے

نکاح بلا مہر ہو سکتا ہے لیکن اسلامی فقہ کی رو سے اس طرح کے نکاح میں مہر مثل آپ سے آپ لازم آجاتا ہے(35)

شوافع

شوافع فقہاء کے رائے یہ ہے کہ نکاح بلا مہر ہو جائے تو منعقد ہو سکتا ہے، فاسد نہیں ہے البتہ جب وطی ہو جائے تو اس عورت کے لیے مہر مثل ہو گا، امام شافعیؒ اپنی کتاب الام میں فرماتے ہیں:

"أَنَّ عَقْدَ النِّكَاحِ يَكُونُ بِلاَ مَهْرٍ فَيَثْبُتُ النِّكَاحُ وَلاَ يَفْسُدُ بِأَنْ لم يَكُنْ مَهْرٌ وَيَكُونُ لِلْمَرْأَةِ إِذَا وُطِئَتْ مَهْرُ مِثْلِهَا "(36)

عقد نکاح بغیر مہر کے بھی ہو جاتا ہے اور اگر مہر نہ بھی ہو اس میں کوئی فساد نہیں آجاتا، اور اسی صورت میں اگر عورت کی وطی ہو جائے تو اس کے لیے مہر مثل ہے۔

اسی طرح امام ماوردیؒ نے بھی کہا ہے:

"إِذَا عَقَدَ النِّكَاحَ بِمَهْرٍ مَجْهُولٍ أَوْ حَرَامٍ، كَانَ النِّكَاحُ جَائِزًا وَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا. وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُورِ الْعلمائے کرام" [37]

جب نکاح مجہول مہر یا حرام مہر کے ساتھ ہو جائے تو نکاح جائز ہے اور عورت کے لیے مہر مثل ہے، اور یہ جمہور کا قول ہے۔

احنافؒ

احناف فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر بلا مہر نکاح ہو گیا تو شوہر فوت جانے یا مجامعت کی صورت میں اس عورت کے لیے مہر مثل ہو گا، امام مرغینانی کہتے ہیں:

"وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها" [38]

اگر اس عورت کو نکاح پر دیا اور اس کے لیے مہر مسمیٰ نہیں کیا، یا نکاح پر دیا اس شرط پر کہ اس کا مہر نہیں ہو گا، تو ان صورتوں میں اگر شوہر نے دخول کیا یا فوت ہوا تو عورت کے لئے مہر مثل ہے۔

مالکیہؒ

شہاب الدین المالکیؒ کہتے ہیں:

"يَجُوزُ نِكَاحُ التَّفْوِيضِ وَهُوَ الْعَقْدُ الْمَسْكُوتُ فِيهِ عَنِ الصِّدَاقِ، وَلَوْ دَخَلَ لَزِمَ مَهْرُ الْمِثْلِ" [39]

نکاح تفویض جائز ہے، اور یہ وہ عقد ہے جس میں مہر سے سکوت کی گئی ہو، اگر اسی صورت میں دخول ہو گیا تو عورت کے لیے مہر مثل ہے۔

حنابلہؒ

ابن سالمؒ منار السبیل میں لکھتے ہیں:

"فإن لم يسم" فهو تفويض البضع، "أو سمى فاسداً" كخمر وحر، "صح العقد، ووجب مهر المثل" [40]

اگر نکاح میں مہر کا ذکر نہیں کیا تو یہ بضع کی تفویض ہے، یا ذکر کیا مگر حرام چیز کا، جیسا کہ خمر یا ریشم کا، تو عقد صحیح ہے اور اس عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوا۔

البتہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں:

"وَيُسْتَحَبُّ أَنْ لَا يَعْرَى النِّكَاحُ عَنْ تَسْمِيَةِ الصَّدَاقِ" [41]

کہ نکاح میں مستحب یہ ہے کہ اس میں مہر ضرور مسمیٰ کیا گیا ہو۔

یعنی مہر مسمیٰ کرنا چاہیے کہ مہر کتنا اور کیا ہو گا۔

خلاصہ بحث

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ مہر کے بغیر نکاح ہو نہیں سکتا، کیونکہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
" أَنَّ امْرَأَةً عَرَضَتْ نَفْسَهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ زَوِّجْنِيهَا فَقَالَ مَا عِنْدَكَ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ اذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ"(42)
ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ نکاح کے لیے پیش کیا، تو ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھ سے نکاح کروادیں، تو رسول اللہ نے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس کچھ بھی نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ تلاش کرو اگرچہ چاندی کا انگوٹھا کیوں نہ ہو۔
معلوم ہوا کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، ورنہ اس انتہائی غریب بندے کو رسول اللہ ویسے ہی دیتے۔
ابھی رہا یہ مسئلہ کہ اگر نکاح ہوا اور اس میں مہر سرے سے مسمیٰ نہیں کیا یا یہ شرط لگائی کہ اس میں مہر نہیں ہوگا تو ایسی صورت حال میں اگر شوہر نے دخول کیا یا فوت ہوگیا تو عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگیا۔ اس پر سارے آئمہ کا اجماع ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ بغیر مسمیٰ کے مفضی الی النزاع (باعث اختلاف و جھگڑا) ہے، یعنی شر اور جھگڑے کا موجب ہوجاتا ہے، اور جب مسمیٰ ہوجائے تو پھر اس میں یہ نوبت پیش نہیں آتی۔
الغرض درج بالا صفحات میں ان باتوں کا جائزہ لیا گیا کہ شریعتِ اسلامی کے تمام اصولوں اور احکامات کی تطبیق ممکن ہے۔ تطبیق کے لیے علمائے کرامئے کرام کے اقوال موجود ہیں۔ یہ اقوال اصولوں سے مستنبط اور معاشرتی رویوں کا لحاظ رکھتے ہوئے وضع کیے گیے ہیں۔

مصادر و مراجع

[1])مودودی۔سیدابوالاعلیٰ، تفہیمات، اسلامک پبلیکیشنز،لاہور، 1998، ج3 ص195

[2]) سعد بن عبدالله السبر،أحكام نكاح المسيار الفقهية، ج1ص11

[3]) : هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية ،أبحاث هيئة كبار العلماء، ج1، ص162

[4]) هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية ،أبحاث هيئة كبار العلماء، ج1، ص265

[5]) العسقلاني الشافعي-أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل ، فتح الباري شرح صحيح البخاري، دار المعرفة-بيروت، 1379، ج9، ص217

[6])محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (المتوفى1250ھ)، نيل الأوطار،عصام الدين الصبابطي، دار الحديث، مصر، ج6، ص170

[7]) الغرناطي ، أبو القاسم، محمد بن أحمد بن محمد بن عبد الله، ابن جزي الكلبي (المتوفى741هـ)، القوانين الفقهية ، ص145

[8]) ابن نجيم المصري،البحر الرائق شرح كنز الدقائق،دار الكتاب الإسلامي،الطبعةالثانية بدون تاريخ، ج3،ص137

[9])مودودی۔سیدابوالاعلیٰ،رسائل ومسائل،طبع اسلامک پبلیکیشنز لاہور ،2011 ،ج 2،ص126

[10]) الفرغاني المرغيناني ۔ برهان الدين علي بن أبي بكر بن عبد الجليل ، متن بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة،سنة الوفاة 593هـ، مكتبة ومطبعة محمد علي صبح،مكان النشر۔القاهرة، ج1،ص61

[11]) الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)،الهداية في شرح بداية المبتدي، دار احياء التراث العربي۔بيروت،لبنان، ج1،ص165

[12]) أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي ،سنن البيهقي الكبرى، مكتبة دار الباز۔مكة المكرمة، 1414 1994، ج7ص133

[13]) محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (المتوفى786هـ)،العناية شرح الهداية،دار الفكر، ج3،ص293۔294

[14]) محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (المتوفى786هـ)،العناية شرح الهداية، دار الفكر، ج3،ص293۔294

[15]) ابن رشد القرطبي، بداية المجتهد ونهاية المقتصد،ادار الحديث۔ القاهرة،تاريخ النشر۔1425هـ، ج3،ص42

[16]) ماوردي ۔ أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، (المتوفى450هـ)،الحاوي في فقه الشافعي، دار الكتب العلمية،الطبعةالأولى 1414هـ ،،ج9،ص100

[17]) ماوردي۔أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، (المتوفى450هـ)،الحاوي في فقه الشافعي، دار الكتب العلمية،الطبعة : الأولى 1414هـ ج9،ص101

[18]) ابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620هـ)، المغني لابن قدامة، مكتبة القاهرة،،1968م، ج7،ص35

[19])سورة الروم ۔آية 21

[20])مودودی۔سیدابوالاعلیٰ،استفسارات،مرتب اختر حجازی،ادارہ ترجمان القرآن اردو بازار،لاہور،1992

[21]) أحمد بن عبد الرزاق الدويش، اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء ، فتاوى اللجنة الدائمة- المجموعة الأولى، ،ج18،ص91

[22]) عبدالله الفقيه ،فتاوى من مركز الفتوى بموقع الشبكة الإسلامية،وهي فتاوى شرعية مؤصلة تصل إلى قرابة 56.547 فتوى مستخلصة إلى آخر جمادى الأولى تقريباً لعام 1427هـ ، وكل فتوى يسبقها عنوانها ورقمها وتبويبها وتاريخها .ج8،ص6629

[23]) ابن نجيم المصري- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، (المتوفى970هـ)،البحر الرائق شرح كنز الدقائق، دار الكتاب الإسلامي،الطبعة الثانية،بدون تاريخ،ج3،ص83

[24]) ابن نجيم المصري، البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج3،ص89

[25]) محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي،العناية شرح الهداية، دار الفكر،الطبعة،بدون طبعة وبدون تاريخ،ج3،ص204

26) مودودی-سید ابوالاعلیٰ،رسائل ومسائل،ج2،ص128

[27]) السرخسي- شمس الدين أبو بكر ،المبسوط للسرخسي،دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 1421هـ،ج5ص190

[28]) مالك بن أنس بن مالك بن عامر، المدونة الكبرى، دار الكتب العلمية بيروت،لبنان،ج2،ص98

[29]) الشافعي.محمد بن إدريس.أبو عبد الله [150 - 204]، الأم،دار المعرفة - بيروت،الطبعة الثانية، 1393، ج5، ص174

[30]) ابن قدامة المقدسي-عبد الله بن أحمد-أبو محمد،المغني ،دار الفكر-بيروت، الطبعةالأولى،1405 ، ج7،ص576

[31]) المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني ،ج7،ص576

[32])رسائل ومسائل،ج1،ص55-87

[33]) ابن قدامة المقدسي- عبد الله بن أحمد -أبو محمد، المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني، دار الفكر-بيروت، الطبعةالأولى ، 1405،ج8،ص22

[34])وَهْبَة الزُّحَيْلِيّ .الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ, ادار الفكر-سوريَّة –دمشق, الطَّبعة الرَّابعة المنقَّحة المعدَّلة بالنِّسبة لما سبقها، وهي الطَّبعة الثَّانية عشرة لما تقدَّمها من طبعات مصوَّرة

35) مودودی-سید ابوالاعلیٰ،رسائل مسائل،ج3،ص185

[36]) الشافعي -محمد بن إدريس -أبو عبد الله ، الأم، دار المعرفة -بيروت،الطبعة الثانية ، 1393،ج5،ص70

[37]) الماوردي-أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي،الحاوي في فقه الشافعي، دار الكتب العلمية،الطبعة الأولى 1414هـ،ج9،ص394

[38]) القدوري۔ أحمد بن محمد۔أبو الحسين (المتوفى 428هـ)، مختصر القدوري في الفقه الحنفي،ادار الكتب العلمية،الطبعة الأولى، 1418هـ،ص147

[39]) شهاب الدين المالكي-عبد الرحمن بن محمد بن عسكر البغدادي، (المتوفى732هـ) ،إِرْشَادُ السَّالِك إِلَىَ أَشرَفِ المَسَالِكِ فِي فقهِ الإمَامِ مَالِك، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده، مصر،الطبعة الثالثة،ص64

[40]) ابن ضويان، إبراهيم بن محمد بن سالم (المتوفى1353هـ)، منار السبيل في شرح الدليل،المكتب الإسلامي

الطبعة السابعة 1409 هـ،ج2،ص188

[41]) المغني لابن قدامة،ج7، ص210

[42])البخاري۔ محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري،الطبعة الهندية من ملتقى اهل الحديث،ج1ص2650